Islamic Renaissance



The Real Task Ahead

Dr. Israr Ahmad

Islamic Organization of North America (IONA) (New Translation)

Islamic Renaissance The Real Task Ahead

اسلام کی نشأة تانيه : كرنے كااصل كام

Dr. Israr Ahmad

Translated into English by Ahmed Afzaal

Islām kī Nash'at-e Thāniyah: Karnay kā Aṣl Kām (Urdu) By Dr. Israr Ahmad

Islamic Renaissance: The Real Task Ahead Translated by Ahmed Afzaal

First Edition, September 2011

Copyright © 2011 by Islamic Organization of North America (IONA)

All rights reserved.

No part of this publication may be reproduced, stored in or introduced into a retrieval system, or transmitted, in any form or by any means (electronic, mechanical, photocopying, recording or otherwise), without the prior written permission of the copyright holder.

Published by Islamic Organization of North America (IONA) 28630 Ryan Road, Warren, MI 48092 Phone: 586-558-6900; Email: publications@ionaonline.org

ISBN: 978-0-9845941-2-2

Printed in the United States of America.

Table of Contents

Translator's Note (4)

1. The Pervasive Ascendancy of Western Thought (5)

۲_بنیادی نقطهٔ نظر (6)

2. The Fundamental Point of View (8)

3. Political and Intellectual Onslaught of the West on the Islamic World (11)

_{۳ م}دافعت کی اولین کو ششیں اور ان کاما حصل (13)

4. Early Defensive Attempts and their Outcome (14)

۵_علومِ عمرانیکاارتقاء (16)

5. The Development of the Social Sciences (17)

6. The Conception of an "Islamic System" and the Twentieth Century Islamic Movements (19)

22) تعبير کی کوتاہی! (22)

7. The Shortcoming in the Revivalist Interpretation of Islam (25)

8. Renewal of Faith: The Precondition of Islamic Renaissance (36)

•ا_عملى اقدامات (44)

9. The Real Task Ahead (40)

10. A Blueprint for Action (46)

Translator's Note

More than four decades ago, the late Dr. Israr Ahmad wrote a short treatise in Urdu, titled "Islām kī Nash'at-e Thāniyah: Karnay kā Aṣl Kām." He published this treatise in the editorial pages of the June 1967 issue of "Mīthāq," a monthly journal that he also edited at the time. The treatise was subsequently printed as a monograph, first by Dār al-Ishā'at al-Islāmīyyah Lahore and later by Markazī Anjuman Khuddām al-Qur'ān Lahore. An English translation was published in 1980, under the title *Islamic Renaissance: The Real Task Ahead*.

The present edition of "Islamic Renaissance" includes the original Urdu text as well as a new English translation. While the previous translation faithfully conveyed the gist of the primary text, the sophistication of its language tended to discourage many lay readers. Furthermore, Dr. Israr Ahmad was highly meticulous in his choice of words, so that rendering his key terms according to their general or approximate sense did not always capture the very specific meanings he seemed to have in mind. The new translation has benefited from the video recordings of the sessions held during the 1990s in the Qur'ān Auditorium, Lahore, in which Dr. Israr Ahmad went over the entire Urdu text of "Islamic Renaissance" in a classroom setting, often explaining the significance of individual words. The present translation aims at preserving the author's unique voice while communicating as coherently as possible what is most likely to be his intended meaning.

We are convinced that "Islamic Renaissance" has lost none of its value and relevance since its first appearance in 1967. If anything, the events and trends of the last half century have vindicated the arguments presented in this treatise. We hope that the present edition will reach a wider audience, including a new generation of Muslims, and that it will facilitate a deeper insight into the modern predicament that Islam is facing, thereby encouraging appropriate efforts, inshā Allāh.

Ahmed Afzaal Ramaḍān 1432/August 2011

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

ا۔ فکرِ مغرب کاہمہ گیر اِستیلاء

موجودہ دور بیجاطور پر مغربی فلسفہ و فکر اور علوم و فنون کی بالاد سی کا دور ہے اور آج پورے کرّہ ارضی پر مغربی افکار و نظریات یعنی انسان اور کا ننات کے بارے میں وہ تصورات پور می طرح چھائے ہوئے ہیں جن کی ابتداء آج سے تقریباً دوسوسال قبل یورپ میں ہوئی تھی اور جو اِس کے بعد مسلسل متحکم ہوتے اور پر وان پڑ سے چلے گئے۔ آج کی د نیا سیاسی اعتبار سے خواہ کتنے ہی حصوں میں منقسم ہو تقریباً ایک ہی طرزِ فکر اور نقطۂ نظر پوری د نیا پر حکر ان ہے اور بعض سطی اور غیر اہم اختلافات سے قطع نظر ایک ہی تہذیب و تدن کا سکہ پوری د نیا پر حکر ان ہے اور بعض سطی اور غیر اہم اختلافات سے قطع نظر ایک فکر اگر پایا بھی جاتا ہے تواس کی حیثیت زندگی کی اصل شاہر اہ سے ہڑی ہوئی پگر نڈی سے زیادہ نظر اور طرز اجتماعی زندگی اور ان کے جملہ متصن دواں ہے۔ کہیں کہیں منتشر طور پر کوئی دوسرا نقطۂ نظر اور طرز اجتماعی زندگی اور اس کی حیثیت زندگی کی اصل شاہر اہ سے ہڑی ہوئی پگر نڈی سے زیادہ نہیں اجماعی زندگی اور اس کی حیثیت زندگی کی اصل شاہر اہ سے ہڑی ہوئی پگر نڈی سے زیادہ نہیں اجماعی زندگی اور اس کے جملہ متضمنات کی اصل زام ما کار ہے وہ سب کے سب بلا استناء ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئی تیں۔ مغربی تہذیب و تر ہو اور کی ہوئی پگر نڈی سے زیادہ نہیں میں رنگے ہو کے بیں۔ مغربی تہذیب و تدن اور فل خو ہو تھ و کار کا ہے تر قطر اس میں اور جن کے ہا تھوں میں میں رنگے ہو کے بیں۔ مغربی تہذیب و تھن اور فل خو ہو تھ و کر کا ہے تسلّط اس قدر شدید اور ہمہ گیر ہے کہ میں رنگے ہو کے بیں۔ مغربی تہذیب و تہ دن اور فل خو ہو تھ ہو کار کا ہے تر قار اس قدر پر کو کی میں مغربی میں مغربی تہذیب و تد تن کے خلاف صف آراء بیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دہ بھی مغرب کے اثرات سے بالکا ہیں

1. The Pervasive Ascendancy of Western Thought

The present age can be justifiably described as the age of the predominance of Western thought and philosophy as well as of Western arts and sciences. In this age, Western ideas and theories, along with Western conceptions regarding the universe and the human being, have come to dominate the entire globe. Ever since their origin in Europe roughly two hundred years ago, these ideas and conceptions have been continually growing and strengthening. Regardless of the number of nation-states or political blocs in which the contemporary world is divided, it is more or less the same style of thinking-or the same point of view-that prevails all over the world. Disregarding a few superficial and trivial differences, it is the same cultural currency that holds value across national, ideological, and societal boundaries. While we do sometimes encounter alternative perspectives or viewpoints, the combined significance of these is no more than that of a peripheral trail compared to the central highway of human civilization. In both the East and the West, the mindset of the ruling and leading classes-those who control the collective affairs of their respective societies-seems to have been dyed in exactly the same hue. The pervasive ascendancy of Western thought and culture has become so formidable that even anti-Western movements in different parts of the world have not been able to remain completely free of its influence. Upon closer examination, the perspective of the social forces struggling to resist the West turns out to be quite Western itself.

۲_بنیادی نقطهٔ نظر

تہذیب جدید کی بنیاد میں جو قکر کام کررہا ہے وہ نہ تو کوئی ایک دن میں پیدا ہو گیا ہے اور نہ ہی کوئی سادہ اور بسیط شرمے ، بلکہ ان ڈیڑھ دو سوسالوں کے دوران فلسف کے کتنے ہی مکاتب ہائے قکر یورپ میں پیدا ہوئے اور کتنے ہی زاویہ ہائے نگاہ سے انسانوں نے انسان اور انسانی زندگی پر غور و فکر کیا۔ لیکن اس پورے ذہنی و فکری سفر کے دوران ایک نقطۂ نظر جو مسلسل پختہ ہو تا چلا گیا اور جسے ، بجا طور پر اس پورے فکر کی اساس قرار دیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں " خیالی " اور " ماور انی " نصوّرات کے بجائے " محکوس " حقائق و و اقعات کو غور و فکر اور سوچ و بچار کا اصل مرکز و محور ہونے کی حیثیت حاصل ہے اور خدا کے بجائی کا نتات ، روح کے بجائے مادہ ، اور موت کے بعد کسی زندگی کے تصوّرات کے بجائے " محکوس " حقائق و و اقعات کو غور و فکر اور سوچ و بچار کا اصل مرکز و محور ہونے کی حیثیت حاصل ہے اور خدا کے بجائے کا نتات ، روح کے بجائے مادہ ، اور موت کے بعد کسی زندگی کے تصوّرات خدا، روح ، اور حیات بعد الممات کانہ اقرار دیا گیا ہے۔ خالص علمی سطح پر تو اگر کا کا تصوّر کے خدا، روح ، اور حیات بعد الممات کانہ اقرار دیا گیا ہے۔ خالص علمی سطح پر تو اگر کر ان کی دو تی کے تو تور کے تو کہ ایک میں میں میں میں میں میں کے دور و فکر اور حی جائے مادہ ، اور موت کے بعد کسی زندگی کے تصوّر کے خدا، روح ، اور حیات بعد الممات کانہ اقرار کرتے ہیں نہ انکار ، لیکن اس عدم اقرار و انکار کا نتیجہ سر حال می نگلا کہ یہ " تصوّرات " رفتہ رفتہ بالکل خارج از بحث ہوتے چلے گئے اور انسان کے سارے خور و فکر اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے جن بے پناہ قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے وہ انہیں جس میدان میں بھی استعال کرے نتائج ہم حال رونما ہوتے ہیں اور ہم ڈھونڈ نے والا اپنے اپند ائرہ تحقیق و جستو میں نئ د نیائیں تلاش کر سکتا ہے ⁽¹⁾ ۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح کا مُنات کی عظمت و وسعت کے اعتبار سے مہر در خشاں کی حیثیت ووقعت ایک " ذرّہ فانی " سے زیادہ نظر نہیں آتی لیکن اگر ایک " ذرّہ فانی " کی حقیقت و ماہیت پر غور کیا جائے تو وہ بجائے خود " مہر در خشاں " کی عظمت و سطوت کا حامل نظر آتا ہے ¹⁹ ۔ اسی طرح حقیقت نو فقوں بجائے خود " مہر در خشاں " کی عظمت و سطوت کا حامل وقعت ہوں ، اگر نگاہوں کو انہی پر مرکز کر دیا جائے تو خود ان کی وسعتیں بے کراں اور کتر ہیں اتھا نظر آنے لگتی ہیں۔

چنانچہ یورپ میں جب "کا نمات " اور "مادہ" تحقیق و جنجو کا موضوع بے تویلے بعد دیگر ے ایسے ایسے عظیم انکشافات ہوئے اور بظاہر خفتہ و خوابیدہ مظاہرِ قدرت کے پر دوں میں ایسی ایسی عظیم قوتوں اور توانا ئیوں کا سراغ ملا کہ عقلیں دنگ اور نگاہیں چکا چوند رہ گئیں اور علم و فن کی دنیا میں ایک انقلاب بر پا ہو گیا۔ قدرت کے قوانین کی سلسل دریافت ، فطرت کی قوتوں کی پیم تسخیر ، اور نت نگی ایجادات واختر اعات نے ایک طرف تو یورپ کو ایک نا قابلِ شکست قوت بنادیا اور دوسر کی طرف ماد سے ایک النقان شکا عظمت اور اس کی قوتوں کی بیہ سطوت بجائے خود اس امر کی دلیل بنتی چلی گئی کہ اصل قابلِ النفات شے مادہ ہے نہ کہ روح ، اور کا نمات اور اس کے قواعد و قوانین ہیں نہ کہ خد ااور اس کی ذات و صفات !

{۱} طَ فَ تَعْوِندُ نَ وَالوں كودنيا بھى نَتى ديتے مِيں (اتَّبال)
{٢} ميرور خشاں، ذرّة فانى = ذرّة فانى ميرور خشاں (تَوَثر)
ط لبو خورشيد كا نيك اگروز كادل چير ميں (اتَّبال)

2. The Fundamental Point of View

The ideas and conceptions behind modern civilization did not come into being overnight, nor should they be mistaken as constituting a simple and monolithic entity. During the last two centuries or so, practically countless schools of thought have emerged in the West, and human beings have inquired into human nature and existence from virtually innumerable points of view. Throughout this variegated intellectual journey, however, a single viewpoint has become increasingly established. Thus, while modern thought is both complex and diverse, it is nevertheless possible to identify a particular viewpoint as forming its essential foundation. This viewpoint may be stated as follows: The central axis of human reflection and investigation should consist of "solid facts" and actual, observable events-as opposed to "imaginary" or "transcendent" notions. According to this viewpoint, the legitimate objects of human inquiry should be the physical universe, as opposed to God; the material body, as opposed to the spirit; and the life of this-world, as opposed to the life hereafter. Though at a purely academic level the reality of God, the spirit, and life hereafter was neither confirmed nor denied, this avowedly agnostic position has led, quite understandably, to the gradual elimination of these "concepts" from the domain of legitimate human inquiry. Because of this viewpoint, all of human curiosity and concern become focused upon and restricted to the realm of the material universe, the physical body, and the life of this-world.

Consider the fact that Divine Providence has bestowed upon humankind a great many capacities, the disciplined use of which in any field is bound to produce definite results. By applying these capacities, all manners of seekers and explorers can potentially discover entirely new worlds in their respective fields of inquiry. Consider also that a single atom appears trivial when compared to the mighty sun, but if some of the divinely bestowed human capacities were to be focused on the exploration of that trivial atom, it would reveal itself as a magnificent and glorious sun in its own right. On the same analogy, the material universe, the physical body, and the life of this-world appear to possess no ontological value when we compare these to the reality of God, the spirit, and the life hereafter; and yet, if all the human capacities for acquiring knowledge were to be focused solely upon the physical and material reality, even this otherwise insignificant realm would seem to possess an endless span and a bottomless depth.

This is precisely what happened in the West. When "the universe" and "matter" were brought under the lens of scientific inquiry, the result was a chain reaction of discoveries and innovations. Clues were revealed that pointed to immense sources of energy that have so far been lying hidden or dormant behind the veils of nature. These developments astonished the world and brought about revolutionary transformations in all areas of arts and sciences.

Two important consequences followed this revolution: First, a series of continuous breakthroughs in deciphering the laws of nature, a harnessing of natural forces and their use as efficient sources of energy, and an uninterrupted stream of innovative tools and techniques—all of this led to the rise of Europe as an invincible power. Second, the immense power and grandeur of "matter" came to be seen as an irrefutable argument in favor of focusing the human gaze on the physical universe, as opposed to God. The marvelous success of science itself became a veritable proof that the truly important object of human inquiry was matter and its physical and chemical properties, rather than God and the attributes of God.

سل عالم اسلام بر مغرب کی سیاسی و فکر می بورش فطرت کی ان نو تسخیر شدہ قوتوں سے مسلح ہو کر مغرب جب مشرق پر حملہ آ در ہوا تو دیکھتے ہی دیکھتے ایک سیلاب کے مانند پورے کرؓ ڈارضی پر چھا گیا اور مشرقی اقوام اور ان کی عظیم حکو متیں اور سلطنتیں اس سیلاب میں ریت کے کچے گھروندوں کی طرح بہتی چلی گئیں۔ اس سیلاب کا اوؓ لین شکار چونکہ مشرقِ قریب اور مشرقِ وسطیٰ تھے جہاں مسلمان آباد تھے، للذا اس کی سخت ترین یورش اسلام اور اہلِ اسلام پر ہو کی اور چند ہی سالوں کے اندر اندر پورا حالم اسلام یورپ کے زیرِ نکیں ہو گیا۔ عالم اسلام پر مغرب کا بیر استیلا، دو گونه تها، لیعنی عسکری و سیاسی بھی اور ذہنی و فکری بھی۔ لیکن یورپ کی او لین اور نمایاں ترین یورش چو نکہ سیاسی تھی للذا عالم اسلام میں جو روِّ عمل اس کے خلاف پیدا ہوا اس میں بھی اولاً اس کا احساس غالب نظر آتا ہے۔ ملّتِ اسلامی کے اس تلخ احساس نے کہ یورپ نے کہیں براہ راست تسلط اور قبضے اور کہیں انتداب و تحفظ و حمایت کے پر دے میں اسے اپنا محکوم بنالیا ہے اور اسے چھوٹے چھوٹے ٹکروں میں تقسیم کر کے اس کی و حدتِ ملی کو پارہ پارہ کر دیا ہے، بار ہا درد انگیز نالوں کی صورت اختیار کی اور اپنے شاندار ماضی کی حسرت بھری یا داپی "عمر رفتہ " اور عظمت و حواہش ^(۱۱) نے کبھی سیّد جمال الدیّن افغانی کی سیماب و ش شخصیت کاروپ دھارا اور کبھی تحریک خواہش ^(۱۱) نے کبھی سیّد جمال الدیّن افغانی کی سیماب و ش شخصیت کاروپ دھارا اور کبھی تحریک حلافت کی صورت اختیار کی، لیکن حقائق نے مر بار جذبات و خواہشات کامنہ چڑایا اور مغرب کی سیاس

اپنے سیاسی تسلط کو شخلم کرتے ہی یورپ نے دنیا نے اسلام میں اپنے افکار و نظریات کا پر چار اور اپن نقط نظر اور طرزِ فکر کی تبلیغ ۔ یعنی ذہنی و فکر ی تشخیر کا سلسلہ ۔ بھی شر وع کر دیا۔ نظامیں مغرب کی ماڈی ترقی سے پہلے ہی خیرہ ہو چکی تقییں، پھر زندہ قو موں میں ہمیشہ کچھ بنیادی انسانی اوصاف لاز ماہوتے ہی ہیں، کچھ ان کی بنا پر مر عومیت میں اضافہ ہوا۔ نیتجناً ایک مر عوب اور شکست خوردہ ذہنیت کے ساتھ مسلمانانِ عالم کے سواو اعظم نے مغربی افکار و نظریات کو جوں کا توں قبول کر نا اور حززِ جاں بنانا شر وع کر دیا۔ خالص فلسفہ و عرازیات کے میدان میں تو چو نکہ خود مغرب میں ب شار مکات ہائے فکر موجود تھے للذا ان کے بارے میں تو پھر بھی کسی قدر قبل و قال اور رڈ وقد 7 یا میں از کم ترجح وا مختاب کا معاملہ کیا گیا۔ لیکن سا تن پڑو نکہ بالکل " حتمی "اور " قطعی " تھی اور اس کے نائ کم از کم ترجح وا مختاب کا معاملہ کیا گیا۔ لیکن سا تن پڑو نکہ بالکل " حتمی "اور " قطعی " تھی اور اس کے نائ کی بالکل محسوس و مشہود تھے اور اس میدان میں چون و چرائی گنجائش موجود خبیں تھی اور اس کے پر ستانہ طرزِ فکر رفتہ رفتہ عالم اسلام کے تمام سوچن سیخ میں غیر شعور کی طور پر طحدانہ نقطۂ نظر اور ماڈہ پڑی سانہ طرزِ فکر رفتہ رفتہ کا معاملہ کیا گیا۔ لیکن سا تن پڑی نہ بالکل " حتمی "اور " قطعی " تھی اور اس کے نی کی بالکل محسوس و مشہود تھے اور اس میدان میں چون و چرائی گنجائش موجود خبیں تھی اور اس کے نی کی برائی موجود زی اور اور اس کے تمام سوچنے سیجھنے والے لو گوں کے ذہنوں میں سر ایت کر تا چوں پر ستانہ طرزِ فکر رفتہ رفتہ عالم اسلام کے تمام سوچنے سیجھنے والے لو گوں کے ذہنوں میں سر ایت کر تا چلا {۱} _ غزل اس نے چیٹر کی مجھے ساز دیتا — ذرا عمر رفتہ کو آواز دیتا (صفی لکھنوی) کل دوڑ پیچیے کی طرف اے گرد ثباتیام تو (اقبال)

3. Political and Intellectual Onslaught of the West on the Islamic World

Thus empowered by the harnessing of newly discovered forces of nature, the West soon came to dominate much of the Eastern world. The Western onslaught was an unstoppable flood that rushed through the entire world, sweeping away the mighty empires of the East as if they were mere sandcastles. Since the peoples of the Near and the Middle East were among the earliest targets of European colonial offensive, Islam and Muslims faced the brunt of this onslaught. This led, in an incredibly short period, to the subjugation of the entire Islamic world to various European powers.

The Western domination of the Islamic world occurred at two levelsmilitary and political on the one hand, intellectual and cultural on the other. In the initial phase, Muslims experienced the Western onslaught most strongly at the political-military level; as a result, their initial reaction against the West was aimed at achieving political liberation through armed resistance. The political domination of the West manifested overtly in the form of occupation and annexation as well as covertly in the form of indirect control, the latter only thinly disguised as "mandates" and "protectorates." As the Muslim ummah woke up to this new reality and began to recognize the extent of her political subjugation and the fragmentation of her communal integrity, the resulting grief often took the form of heart-wrenching laments. The nostalgia for the ummah's glorious past sparked a widespread passion among Muslims masses to bring back her former splendor and majesty-indeed, to turn the clock backwards. It was this nostalgic passion that embodied itself on one occasion as the volatile personality of Jamāl al-Dīn al-Afghānī and on another occasion as the popular movement to restore the Khilafah. But each time it was the concrete, factual reality that made a mockery of such sentimental wishes, as the political domination of the West increasingly became an established and acknowledged fact.

In the wake of consolidating their political hegemony, European powers started propagating the modern point of view and style of thinking among their new subjects. Having defeated the Muslims in the political arena, these powers were quick to initiate the process of conquering them in the realm of ideas as well. The dazzling material progress achieved by the West had already mesmerized the majority of Muslims, who were now particularly vulnerable to intellectual capitulation. Furthermore, any dynamic and vibrant culture necessarily displays certain exemplary character traits; colonized Muslims were overawed as they observed and experienced such virtues in the dominant Western culture. With their critical faculties more or less suspended, Muslims approached Western thought with a defeatist and submissive mentality, and, quite predictably, their vast majority began absorbing Western ideas and concepts with little or no discrimination. The plurality of perspectives in modern humanities did allow some space for debate and disagreement, or at least the possibility of selective adoption, but no such space was permitted by the physical sciences. Muslims encountered the results of these sciences as absolutely certain and unquestionably conclusive, since these results were believed to be grounded in demonstrable empirical evidence. Consequently, they had little choice but to greet the claims of these sciences with the kind of uncritical acquiescence that one normally reserves for a heavenly writ. As a cumulative result of these factors, the point of view based on disbelief and materialism seeped into the minds of the most thoughtful and perceptive of Muslims-without any conscious awareness on their part. An increasing emphasis on the physical universe, the material body, and the life of this-world accompanied a decreasing emphasis on God, the spirit, and the life hereafter. This change in viewpoint was so sweeping that even the more religious and pious sections of the ummah could not remain unaffected.

، مدافعت کی اولین کو ششیں اور ان کا ما^{حص}ل

مغربی فلسفہ و فکر کی اس میلغار کے مقابلے میں اسلام کی جانب سے مدافعت کی کو ششیں بھی اس دوران میں ہو کیں اور بہت سے در د مند اور دین ومذہب سے قلبی لگاؤر کھنے والے لو گوں نے ان کے تحفظ کی سعی کی۔ تحفظ ومدافعت کی میہ کو ششیں دو طرح کی تھیں، ایک وہ جن میں محض تحفظ پر قناعت کی گئی اور دوسری وہ جن میں مدافعت کے ساتھ ساتھ مصالحت اور کسر وانکسار کی روش اختیار کی گئی۔

پہلی قسم کی کو شش وہ تھی جے بقول مولانا مناظر احسن سیلانی مرحوم اصحاب کہف کی سنّت کا اتباع کہا جاسکتا ہے اور جس کا بنیادی فلسفہ یہ تھا کہ زندگی کی شاہر اوسے ہٹ کر کو نوں کھدروں میں بیٹھ جاؤاور اپنے دین وایمان کو بچانے کی فکر کرو۔ اس قسم کی کو ششیں اگرچہ بظاہر نزی فراریت کا مظہر نظر آتی ہیں لیکن در حقیقت ان کی اساس خالص حقیقت پسندی اور اس اعتراف پر تھی کہ مغرب کی اس یلغار کے لیلے مقابلے کی سکت اس وقت عالم اسلام میں نہیں ہے، للذا ایک ہی راستہ کھلا ہے اور وہ یہ کہ اس سیلاب کے راست سے ہٹ جایا جائے اور مالام میں نہیں ہے، للذا ایک ہی راستہ کھلا ہے اور وہ یہ کہ اس سیلاب کے راست سے ہٹ جایا جائے اور مر طرح کے طعن واستہزاء کو انگیز کرتے ہوئے ایمان کی مریق کار کی جائے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ کامیابی بھی تھوڑی بہت اگر کسی کو ہوئی تو صرف ای مراستی کی فکر کی جائے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ کامیابی بھی تھوڑی بہت اگر کسی کو ہوئی تو صرف ای مریق کار کے اختیار کرنے والوں کو ہوئی اور اس کے نتیج میں است کے ایک حصے کا ایمان بھی سلامت وہ گیا، مادہ پر ستی کے گھٹا ٹوپ اند ھیروں میں روحانیت کی شمیعیں بھی محفوظ رہ گیں بالی میں اور کو شش کا مظہر اتم بڑ صغیر میں دار العلوم دیوبند تھا، جو کہنے کو تو صرف ای کو شش کا مظہر اتم بڑ صغیر میں دار العلوم دیوبند تھا، جو کہنے کو تو صرف ایک کی کھی کو ہوئی دو مرف ای کو شش کا مظہر اتم بڑ صغیر میں دار العلوم دیوبند تھا، جو کہنے کو تو صرف ایک در کاہ تھا لیکن واقعیۃ اس

دوسری قشم کی کو ششوں کا بنیادی فلسفہ یہ تھا کہ زمانے کا ساتھ بھی دیا جائے اور اسلام کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ اس مقصد کے تحت ایک طرف جدید افکار و نظریات کے صحیح و غلط اجزاء کو چھانٹ کر علیحدہ کیا جائے اور دوسری طرف اسلام کی ایسی جدید تعبیر کی جائے جس سے اس کی حقانیت ثابت ہو جائے۔ اس قشم کی کو ششوں میں اوّل اوّل مر عوبیت اور شکست خور دگی کے اثرات بہت نمایاں تھے، چنانچہ مغرب کی عقلیت پر ستی (rationalism) کی کسو ٹی پر ہند و مصر کے پچھ نیم متکلم

4. Early Defensive Attempts and their Outcome

Numerous endeavors of a defensive nature were initiated on behalf of Islam, through which many concerned and devout Muslims attempted to safeguard their faith and religious tradition against the onslaught of Western thought and philosophy. These defensive attempts were of two main varieties—first, attempts aiming at preservation alone; and second, attempts aiming at protection along with some compromise and concession.

Borrowing the analogy used by Manāẓir Aḥsan Gīlānī, the first of the two varieties can be described as similar to the strategy adopted by the "People of the Cave." This refers to the story of Aṣ'ḥāb al-Kahf as narrated in the Holy Qur'ān: a group of young men flee from society when their faith was threatened, seeking refuge in an isolated cave (cf. Sūrah al-Kahf 18:9-26). In the nineteenth-century, the essence of this approach was to focus upon preserving one's faith and religiosity by removing oneself from the mainstream of social life and thereby avoiding its challenges and temptations. Even though this attitude may appear to be sheer escapist in motivation, it was based on the realistic acknowledgement that the Islamic world did not have the capacity to survive in a face-to-face encounter with Western thought and philosophy. The onslaught of the West was like an enormous tidal wave, and the only practical option for Muslims was to move out of its way as quickly as possible. In this approach, top priority was given to the task of preserving the integrity of Islamic faith and tradition, even at the cost of having to retreat from the mainstream of society and becoming, as a result, the targets of its derision and ridicule. Indeed, whatever success was achieved during that period was the result of this very approach. Thanks to those who followed the example of "People of the Cave," religious faith stayed alive in at least one section of the ummah; a few candles of spirituality were left burning in the otherwise dark night of disbelief and materialism; and the basic structure of religiosity and religious practice survived through the preservation and transmission of traditional Islamic sciences. In the Indian Subcontinent, this kind of defense was epitomized by the Dar al-'Ulum at Deoband, a religious seminary that was also the vanguard of a great movement.

The second variety of Muslim defense was characterized by protection of the self as well some conciliation with the other. Its essence was a desire to keep up with changing times without losing the commitment to Islam. The approach was two-fold; first, to critically examine Western thought and philosophy in order to sift the grain from the husk, and, second, to construct a new interpretation of Islam in order to establish its veracity in the modern world.

Initial efforts of this kind were marked by an excessive awe and admiration for the West along with a sense of resigned acquiescence. In India and Egypt, a number of quasi-theologians began to evaluate the fundamental tenets of Islamic faith and doctrine on the touchstone of Western rationalism. In their attempt to fit a square peg in a round hole, as it were, these reformers were forced to trim down Islamic metaphysical beliefs, often by explaining them away in purely scientific terms. Sayyid Aḥmad Khān in the Indian Subcontinent and Muftī Muḥammad 'Abduh in Egypt, as well their disciples and followers, epitomized this variety of Muslim defense. These reformers wanted the ummah to follow the same path of material progress that Europe had pioneered, and to keep Islam with them as a supportive and accommodating companion in this journey.

Regardless of how sincere and well-intentioned these reformers may have been, the fact of the matter is that their efforts literally squeezed the life out of religious faith and tradition. Launched under the pervasive influence of Western thought and philosophy, these defensive attempts at compromise and concession ended up producing a more or less secularized version of Islam.

If there was any useful outcome of this variety of defensive efforts, perhaps it was this: Muslims who were already westernized in their thinking and life-style did not have to repudiate their connection to Islam. For such Muslims, this modernist and secularized version of Islam became the "apology" that they would humbly offer to the West in exchange for maintaining their Muslim identity.

۵_علوم عمرانی کاار تقاء

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے مغربی قکر کی اساس خدا، روح، اور حیات بعد الممات کے عدم اقرار وانکار کے پر دے میں در حقیقت انکار پر تھی چنانچہ ایک طرف توخد اکے بجائے کا مُنات اور روح کے بجائے مادہ تحقیق و جبتحو کا مرکز و محور بنے جس کے نتیج میں سائنسی انکشافات وا یجادات و اختراعات کا سلسلہ نثر وع ہوا۔ اور دوسر کی طرف حیاتِ اخر وکی سرے سے خارج از بحث ہو گئی اور حیاتِ د نیو کی گہرے غور و فکر اور شدید سوچ و بچار کا موضوع بنی جس کے نتیج میں مختلف عرانی تصورات اور سیاسی و معاشی نظریات وجود میں آئے اور ان کی تالیف و تد و ین سے مختلف نظام ہائے حیات پہلے علمی و فکر کی سطح پر اور پھر عالم واقعہ میں ظہور پزیر ہو نا نثر وع ہوئے۔ چنانچہ از منہ و سطی کے جاگیر داری نظام (feudal system) کے تحت جو سیاسی و معاشی ڈھانچہ عرصہ در از سے دنیا میں رائج تھا اس کی جگہ سیاسی میدان میں قوم پر سی، آمریت ، اور جمہور یت کار واد رمان میں ان

5. The Development of the Social Sciences

As already mentioned, while claiming to suspend any final judgment on God, the spirit, and the life hereafter, Western thought nevertheless amounted to a practical denial of these metaphysical realities. As God and the spirit became marginalized as subjects of legitimate concern and inquiry, human attention was increasingly focused on the physical universe and the material body, initiating a chain-reaction of scientific discoveries and innovations. In the same way, as the life hereafter ceased to be at the center of legitimate concern and inquiry, human attention was increasingly focused on the immediacy of worldly life and earthly existence. As a result, temporal and mundane aspects of human life became topics for profound reflection and in-depth analysis, leading to an explosive growth in new conceptions and theories relating to the social, political, and economic spheres of life. Through the process of synthesis and integration, these conceptions and theories gave rise to systematic programs for organizing human life at the collective level. Initially confined to academic and theoretical discussions, such systematic programs inspired new ideological movements that caused these programs to start manifesting in the domain of historical reality as well. The political and economic structures associated with medieval feudalism gave way to modern ideological systems, such as nationalism, fascism, and democracy in the political realm, and capitalism and socialism in the economic realm.

۲ - اسلامی نظام حیات کا تصور اور بیسویں صدی عیسوی کی اسلامی تحریکی عمرانیات کے میدان میں مغرب کے اس فکری ارتقاء یا بالفاظ صحیح افراط و تفریط کے دھکوں کا اثر عالم اسلام پر پڑا کہ یہاں بھی لو گوں نے اسلام پر بطر زِ نظام زندگی غور و فکر شر وع کیا اور اسلام نے حیاتِ دنیوی کے مختلف شعبوں کے لئے جو ہدایات دی تھیں ان کی تالیف وتر تیب سے "اسلامی نظام حیات" کی تدوین ہو کی اور ساتھ ہی اس نظام زندگی کو دنیا میں عملاً نافذ کرنے کے لئے مختلف میں اک میں بیسویں صدی عیسوی کی یہ اسلامی تحریکیں ، جو انڈو نیشیا سے مصر تک متعدّد مسلمان ممالک میں تقریباً ایک ہی وقت میں شروع ہو کیں ، بہت سے پہلووُں سے ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہیں اور یہ کہنا بہت حد تک صحیح ہے کہ تقریباً ایک ہی تصوّر دین ان کی پشت پر کام کر رہا ہے اور ایک ہی جذبہ ان میں سرایت کئے ہوئے ہے ۔ پھر یہ بھی صحیح ہے کہ ان کی وجہ سے عالم اسلام میں اسلام پر کم از کم ایک بہتر ضابط حیات ہونے کے اعتبار سے عمومی اعتماد میں اضافہ ہوا ہے ، اور نوجوان نسل کے ذہنوں میں مغرب کی عام مرعوبیت میں بحشیت محمومی کی واقع ہو کی ہے۔

مغربی فلسفہ و فکر اور تہذیب و تمدّن سے مرعوبیت میں عمومی کمی کے پچھ دوسرے اسباب بھی ہیں۔ مثلاً ایک بیہ کہ مغرب کے سیاسی غلبے اور عسکری تسلط کاجو سیلاب تیزی سے آیا تھادہ نہ صرف میہ کہ رُک گیا ہے بلکہ مختلف ممالک میں قومی تحریکوں نے اس کا رُخ پھیر دیا ہے اور مغرب اپنی سیاسی بالادستی کی بساط رفتہ رفتہ تہ کرنے پر مجبور ہو گیا ہے ^(۱) ۔ اور اگرچہ تحفظ وحمایت کے پر دے میں سیاسی بالادستی اور تعاون وامداد کے پر دے میں معاشی تفوق و برتری کے بند هن انجھی باتی ہیں، تاہم تقریباً پورا عالم اسلام مغربی طاقتوں کی براہ راست محکومی سے آزادی حاصل کر چکا ہے۔

دوسرے بید کہ مغربی تہذیب و تد من کا کھو کھلا بن تجرب سے ثابت ہو گیااور خود مغرب میں محسوس کیا گیا کہ اس کی بنیاد غلط اور تغییر کچ ہے، خصوصاً مادہ پر ستانہ الحاد جب اپنی منطقی انتہا کو پہنچا اور اس کی کو کھ سے سوشلز م اور کمیو نزم نے جنم لیا اور انہوں نے انسانیت کی بچی گھچی اقد ار کو بھی " ٹھوس" معاشی مسلے کی جھینٹ چڑھا نا شر وع کیا تو خود مغرب پر بیثان ہو گیا اور وہاں بھی نہ صرف انسانیت بلکہ دبی آ واز میں روحانیت تک کا نام لیا جانے لگا۔ تیسرے یہ کہ نہ صرف میہ کہ خود سا تن کی قطعیت اور حتمیت ختم ہو گئی اور کچھ نے نظریات نے نیوٹن کی طبیعات اور اقلید سی ہند سے کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں بلکہ خود مادہ ٹھو س نہ رہا اور تحلیل ہو کر قوتِ محض کی صورت اختیار کر گیا، چہنا پنچہ مادراء الطبیعاتی عقائہ کا اقرار نسبتا آ سان ہو گیا اور مغرب پر چان کی طبیعات اور اقلید سی ہند سے کی چو تھے ہی کہ مختلف مسلمان ممالک میں جب آزاد کی اور خود مغرب پر جالذا جذب کی صورت اختیار کر گیا، انھیں تو چو نکہ مسلم قومیت کی اساس ممالک میں جب آزاد کی اور خود مغرب پر جالذا جد ہو کی کی کی معلال مندرجه بالااسباب اور عوامل سے تقویت پا کر "احیائے اسلام"، " قیامِ حکومتِ الٰہیہ "، اور " نفاذِ نظامِ اسلامی " کی تحریکیں مختلف مسلمان ممالک میں بر سر کار ہو ئیں جن میں قوت و وسعت اور جذبہ و امنگ کے اعتبار سے مصر کی الاخو ان المسلمون اہم تر تھی لیکن ایک ٹھو س اور مضبوط فکر کی حامل ہونے کے اعتبار سے بر صغیر پاک وہند کی " جماعتِ اسلامی " کو نمایاں مقام حاصل تھا۔

یہ تحریکیں تقریباً ثلث صدی ہے مختلف مسلمان ملکوں میں بر سر عمل ہیں اور ملتِ اسلامی کی نوجوان نسل کا ایک خاصا قابلِ ذکر حصہ ان کے زیر اثر آیا ہے لیکن عملاً ان میں سے کسی کو کوئی نمایاں کا میا بی حاصل نہیں ہو سکی، بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ تحریکیں اپناوقت پورا کر چکی ہیں اور اسلام کی نشأةِ نثا نیہ کے خواب کی تعبیر کاوقت ابھی نہیں آیا۔ چنانچہ مصر میں الاخو ان المعسلمون کا اندرونِ ملک تقریباً خاتمہ ہو چکا ہے اور اس کے باقیات الصالحات جلاو طنی کے عالم میں دُولِ عرب کی باہمی آ ویز ش کے سہارے جی رہ جی ، رہی بڑ صغیر کی تحریک اسلامی تو اس کا جزوا عظم پاکتانی ساست کے نذر ہو چکا ہے اور اب اس کا مقام تحریک محمد رہیت کی حاضیہ بر داری سے زیادہ کچھ نہیں رہا۔ ان تحریکوں کی ناکامی کا سبب بظاہر تو بہ ہے کہ انہوں نے بے صبر می سے کام لیا اور اپنے ملکوں میں سوچنے شیچنے والے لوگوں کی معتد یہ تعداد کے ذہنوں کو بد لے بغیر سیاست کے میدان میں قدم رکھ دیا ، جس کے نتیج میں قومی قیاد توں اور "ترتی پیند عناصر " سے قبل از وقت تصاد میں تک ہوں ہیں میں

[1] دولت برطانیہ نے جس طرح رفتہ رفتہ اپنی عظمت کی بساط کیپٹی ہے وہ تواس دور کاایک نہایت ہی عبرت آمیز واقعہ ہے۔

در حقیقت ان کی ناکامی براہ راست نتیجہ ہےان کے تصوّر دین کی خامی اور مطابعۂ اسلام کے نقص کا۔

6. The Conception of an "Islamic System" and the Twentieth Century Islamic Movements

The intellectual evolution in the social sciences is best seen in terms of ideological clashes that tossed Western societies from one extreme to another. Under the influence of these developments in the West, Muslims began to view Islam in ideological terms as well, conceptualizing it as a systematic program for organizing human life at a collective level. As Islam became the object of reflection from this ideological perspective, its injunctions concerning the various spheres of collective life were compiled, categorized, and arranged, so as to formulate a new interpretation of Islam as a comprehensive "code of life" or a complete "system." While Islam was being re-interpreted in ideological terms, a number of revivalist movements were launched with the goal of establishing this "Islamic system" in historical reality.

These twentieth century Islamic movements were launched almost simultaneously in a variety of Muslim countries from Indonesia to Egypt, and are similar in a number of ways. Indeed, it would be accurate to say that all of these movements are animated by more or less the same conception of Islam and that they are permeated by more or less the same kind of emotional energy. It is also true that in the Islamic world the influence of these movements has raised the overall level of confidence in Islam, at least improving the general credibility of Islam as a superior code of life. Thanks to the influence of these revivalist movements, the uncritical admiration for the West has also declined, especially in the younger generation.

In addition to the influence of Islamic movements, there are several other factors that helped reduce the general level of awe and admiration for Western thought and civilization. First, the rising tide of Western political and military domination eventually ran out of momentum; it not only came to a standstill but was also forced to retreat from one colony after another.¹ When faced with the pressure exerted by various nationalist movements in their overseas colonies, European powers had no choice but to gradually withdraw their political hegemony. Even though the Muslim world is still constrained by the chains of Western political maneuvering and economic advantage—disguised respectively as defense pacts and economic aid programs—by now almost the entire Muslim ummah has liberated itself at least from the direct and overt domination of Western powers.

Second, the hollowness of Western civilization became increasingly obvious through the direct experience of its negative consequences. As a result, the presence of a basic flaw or fundamental crookedness in its structure began to be recognized even in the West. As atheistic materialism followed its own course and reached its logical culmination, it gave birth to socialism and communism—ideological programs that started sacrificing the remaining moral values of humanity at the altar of the much more "concrete" economic realities. The resulting panic in the West led many people to revert back to the notion of humanism; and even the idea of spirituality began to be mentioned in somewhat muffled tones.

Third, modern science began to lose some of its previous claim to finality and conclusiveness. New theories shook the foundations of Newtonian physics and Euclidian geometry; matter lost its rock-solid permanence and revealed itself as a form of energy. As a result of these developments, the affirmation of metaphysical doctrines became somewhat easier and, on the whole, the foundation of religion began to be strengthened once again.

Fourth, the concept of Islamic revival received indirect support from nationalist and anti-colonial movements. The sense of communal solidarity among Muslims is based on religious affiliation; consequently, when movements for liberation and self-determination were launched in various Muslim countries, they inevitably appealed to people's religious sentiments in order to arouse a sense of nationhood. These nationalist feelings, in turn, nourished the desire for a rebirth and revitalization of Islam.

Supported and encouraged by the above factors, Islamic movements with the avowed goals of "Islamic Revival," "Establishment of God's Kingdom," and "Enforcement of the Islamic System" became active in different Muslim countries. Of these, al-Ikhwān al-Muslimūn of Egypt was most distinguished in terms of its strength, extent, and fervor. By offering a robust and vigorous intellectual framework, however, the Jamā'at-e Islāmī of the Indian Subcontinent occupies a prominent place among all the Islamic movements.

These revivalist movements have been active in different countries for the last three decades, influencing a substantial segment of the younger generation of Muslims. In practice, however, none of them has achieved any remarkable success anywhere in the Islamic world. Rather, it seems that these movements have outlived their allotted time, and that the moment is not yet ripe for the realization of the hope and vision of an Islamic renaissance. Egypt's al-Ikhwān has met almost complete disintegration within the country, and its few remaining members are scattered in exile, many of them surviving on the basis of the mutual rivalry among Arab states. As for the Indian Subcontinent's Jamā'at-e Islāmī, most of its potential has been lost in the quagmire of Pakistani politics, and it has now been largely reduced to a mere addendum in the struggle for the restoration of democracy.

On the surface, the cause of the failure of these revivalist movements appears to be their impatience and strategic hastiness. They jumped into the political arena too soon, without having changed the minds of a substantial number of thoughtful and perceptive individuals in their respective countries. This resulted in a premature clash between the Islamic movements on the one hand and the secular political leadership as well as the various "progressive" elements on the other hand.

Upon deeper reflection, however, the actual cause of the failure of these twentieth century revivalist movements turns out to be entirely different. In reality, their failure is the direct result of an immaturity in their conception of religion and of a deficiency in their understanding of Islam.

1. The way in which the British Empire had to withdraw from her vast dominion is a truly eye-opening phenomenon of the twentieth century.

ے۔ تعبیر کی کوتاہیں

ذرا دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تح یکوں کا مطالعۂ اسلام اسی مغربی نقطۂ نظر پر مبنی ہے جس میں روح پر ماد ؓ اور حیاتِ اخروی پر حیاتِ دنیوی کو فوقیت حاصل ہے۔ چنانچہ اسلام کے اِن مادراء الطبیعیاتی اعتقادات کا اقرار توان کے یہاں موجود ہے جن کے مجموعے کا نام ایمان ہے، لیکن انہیں پھر در خور اعتناء اور لا کق التفات نہیں سمجھا گیا، اور نگا ہیں کلیۃ اُس ہدایت ور ہنمائی پر مر کوز بیں جو حیاتِ دنیوی کے مختلف شعبوں کے لئے اسلام نے دی ہیں اور جن کے مجموعے کا نام ایمان ہے، نظامِ زندگی " رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہتی کا اقرار تو موجود ہے کین ایمان بلا سے کہ موالی کا موں معلوم آفاق وانفس میں تنہا وہ کی فاعل مطلق، مؤثرِ حقیق، اور مسبّب الا سباب " نظر " آ نے گے، بالکل مفقود ہے۔ آخرت کا اقرار تو کیا جاتا ہے لیکن اس پر ایسا ایمان کہ کُن فی الدُّنیا کا آنگ کَ غَرِ یب اَو عَابِرُ سَبِدِلٍ^(۱) کی کیفیت پیدا ہو جائے، قطعاً ناہید ہے۔ رسالت کا اقرار تو ہے لیکن محبّتِ رسولؓ نام کو موجود نہیں اور مقامِ رسالت کا تصوّر زیادہ ترقی پیند لو گوں کے نز دیک تو ڈاک کے مرکارے اور صرف اپنی زندگی میں ملّت کے مرکز یعنی رہبر و مطاع سے زیادہ نہیں ^{۲۱}، اور جو سنّت کے مقام سے زیادہ آگاہ ہیں انہوں نے بھی سنّت عادت اور سنّت رسالت کی تقسیم سے ایساچور در وازہ پیدا کر لیا ہے جس سے کم از کم اپنی نجی زندگیوں کی حد تک زمانے کا ساتھ دینے کی آزادی بر قرار رہے ! گویا "ایمان " کا صرف وہ اقرار پایا جاتا ہے جو تانونی اسلام کی بنیاد ہے اور بیہ کیفیت کہ ایمان انسان کا "حال " بن جائے نہ صرف یہ کہ موجود نہیں ہے بلکہ اِس کی کسی ضرورت واہمیت کا احساس بھی سرے سے عنقا ہے !

 اسلام کی بیہ نئی تعبیر براہ راست منتیجہ ہے مغرب کے فلسفہ و فکر کے ہمہ گیر تسلط کا جس نے نقطہ ہائے نظر کو ملحد انہ ومادہ پر ستانہ بنا کر رکھ دیا۔ نیتجتاً روح اور اس کی حیاتِ باطنی خارج از بحث ہو گی اور مادہ اور حیاتِ د نیوی ہی سارے غور و فکر کا موضوع اور سوچ و بچار کا مر کز ہے۔ چنا نچہ دین ومذہب کی بھی مادّی تعبیر ہو کی اور کہنے میں تو اگر چہ آیا کہ اسلام فلاح انسانی کا جامع پر و گرام ہے جس میں فلاح اخروی اور فلاح د نیوی دونوں شامل ہیں لیکن نگاہیں چو نکہ فی الواقع صرف حیاتِ د نیوی پر مر کو ز ہیں, للذا آخری تجز ہے میں اسلام ایک " سیاسی و عمرانی نظام " (politico-social system) بن کر رہ گیا – اور "الہیات " کی حیثیت ایک " سیاسی و عمرانی نظام " (politico-social system) بن مقصد یہ قرار پایا کہ اس نظام زندگی کو عملاً رائے و نافذ کیا جائے رہی خدا کی معروف و محیّت اور اس کے سامنے نظر تر و اخبات جو " عبادت "کا اصل جو ہر ہیں تو ان کی حیثیت بالکل ثانوی و اضافی ہو کر

اس اعتبار سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیہ تحریجیں فی الواقع مذہبی سے زیادہ "سیاسی و عمرانی "اور دینی سے زیادہ " دنیوی " ہیں۔اور آخری تجزیے میں دوسری سیاسی و معاشی تحریجوں سے صرف اس اعتبار سے مختلف ہیں کہ اُن کے نز دیک سرمایہ دارانہ جمہوریت یا اشتر اکیت بہتر نظام ہائے حیات ہیں اور اِن کے نز دیک اسلام انسانی زندگی کے جملہ مسائل کو بہتر طور پر حل کرتا ہے — گویا در حقیقت مذہب کی اصل اقدار کے احیاہ کاکام توا بھی شر وع ہی نہیں ہوا ہے

یہی سبب ہے کہ بیہ تحریکیں بے لنگر کے جہازوں کے ماننداد ھر اُدھر بھٹک رہی ہیں اور ان کا حال اکثر و بیشتر اس مسافر کا سا ہے جسے نہ تو منزل ہی کا پتہ رہا اور نہ بیہ ہی یاد رہا کہ سفر شر وع کہاں سے کیا تھا۔ تقانی ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

•___

7. The Shortcoming in the Revivalist Interpretation of Islam

It can be seen upon closer examination that the understanding of Islam that animates these revivalist movements is based on the same modernist viewpoint that privileges the material body over the spirit and the life of this-world over life hereafter. Consequently, while a formal affirmation of Islamic metaphysical beliefs—collectively called īmān—does exist in the revivalist discourse, these beliefs are not given the kind of weight or value that they obviously deserve. On the contrary, the gaze of the revivalist interpreters has been exclusively fixed on the practical guidance that Islam provides concerning the social, political, and economic spheres of life, and for which they have coined the term Islāmī Niẓām-e Ḥayāt, or the "Islāmic System of Life."

Thus, while the reality of God is formally affirmed in the revivalist discourse, that experiential state of īmān billāh is entirely absent in which the faithful actually "see" God as the ultimate agent and final cause in both the inner and outer worlds. While the reality of life hereafter is formally affirmed, that experiential state of īmān bilākhirah is completely lacking which alone allows the faithful to spend their lives as if they were merely strangers or wayfarers in this world. While the truth of prophecy is formally affirmed, a warm and passionate love for Prophet Muhammad (S) is hardly discernable. According to the more "progressive" types, the status of the Prophet is analogous to that of an ordinary postman, and is no more exalted than that of any other central figure of the Muslim community-a mere leader whose authority does not extend beyond his own life-time.¹ Even those who recognize the significance of the sunnah have created a loophole by distinguishing between sunnah 'ādah and sunnah risālah. This bifurcation allows them the freedom to choose their lifestyle in accordance with the changing trends and fashions of the time, at least in their personal and private affairs.

In a nutshell, only that level of faith is upheld in the revivalist interpretation of Islam that qualifies a person to be counted as a "Muslim" in the strictly legal sense of the term. Entirely absent is any mention of the inner experience that allows faith to become a person's state of being. Indeed, there is not even the slightest awareness of its need and indispensability.

It is due to this viewpoint that the concept of dīn has been identified with the modern notion of the State, and the concept of 'ibādah has been reduced to the level of mere obedience to a higher authority or sovereign. In the revivalist view of Islam, the sublime blessing of the daily salāh remains unappreciated, and the truth of the Prophetic saying that equates the ritual prayer with spiritual ascension (mi'rāj) is completely hidden from sight. Nor is there any awareness of the soul's nourishment through salāh, to the extent that the daily performance of ritual prayer becomes a source of inner peace and joy. Carrying this trend to its logical conclusion, some of the more "progressive" elements have gone so far as to identify salāh with the social order of the Muslim community! Others have recognized the value of salah only at an exoteric level; in their view, the Islamic ritual prayer is important mainly because it offers a comprehensive program for the reform and organization of the Muslim community. Similarly, the power of zakah to develop and purify the soul is much less known or appreciated than its role as an important pillar of the Islamic economic system. Fasting is readily acknowledged as an exercise in self-control; its power to strengthen the spirit and relax the shackles of bodily demands, however, is either not recognized at all or is deliberately left unexpressed because of a certain embarrassment. The Prophetic saying "fasting is a shield" is often reiterated and a good deal of time is spent in its explanation. On the other hand, the highly significant holy tradition "fasting is for Me . . . " is either skipped altogether, or is mentioned only in passing.² Finally, it is well known that the ritual of hajj provides an important means through which a monotheistic community is organized on a global level. Beyond this, no mention is ever made of the deeper religious significance of the pilgrimage or of its numerous spiritual blessings.

The above features of the revivalist interpretation of Islam are direct consequences of the pervasive ascendancy of Western thought and philosophy, the influence of which has pushed the viewpoint in the direction of disbelief and materialism. Consequently, in the revivalist discourse the spirit and its inner life have been excluded from the discussion, while the material reality and the life of this-world have been elevated as the central topics of reflection and inquiry. This has produced what amounts to a materialistic understanding of religion. In theory, the revivalist discourse affirms that Islam is a comprehensive program for human flourishing and that it aims at human welfare in this-world as well as in the life hereafter. In practice, however, Islam is approached entirely as a political and social system, while the status of theology and metaphysics is reduced to that of a façade or veil.³ This happens because the gaze of the revivalist interpreters is firmly fixed on the life of this-world. The real purpose of life, according to this understanding of religion, is to enforce the Islamic political and social

system in the world. As for personal knowledge and intimate love of God—and the attitude of loving adoration, humility, supplication, and yearning for communion that form the essence of 'ibādah—all of these have been relegated to a secondary and peripheral status.⁴

When examined from this perspective, it becomes clear that the essence of these twentieth century Islamic movements is more sociopolitical than religious. They are more this-worldly than otherworldly. As such, the revivalist movements are distinguished only in claiming that the Islamic code of life offers a better solution to the problems of temporal human existence; whereas other ideological movements make the same claim for capitalist democracy, socialism, and so on.

The above analysis is tantamount to saying that the task of reviving the real values of religion has not even started!

It is precisely for this reason that the predicament of the revivalist movements is comparable to that of a ship without a rudder, one that drifts aimlessly at the mercy of winds and waves. Or it is like that of a traveler who becomes a victim of amnesia, unable to recall the whereabouts of either his native land or his destination.

1. In Pakistan, Ghulam Ahmad Pervez is the leading exponent of this school of thought. The purpose of mentioning Mr. Pervez's ideas in this context is only to emphasize that his brand of thinking is the next logical step of the same interpretive error that is found in the revivalist movements.

2. In fact, individuals whose hearts and minds are under the veils of materialism are simply incapable of reaching the true meaning of this hadīth qudsī.

3. A reliable source has attributed to a well-known advocate and defender of Islam the following statement: "Islam is actually a socio-political system whose reality has become obscured due to the veil of theology."

4. Even this state of affair is to be found in rather traditional and conservative Islamic movements. Under the influence of socialism and communism which are the logical end results of Western thought—the more "progressive" elements have gone beyond calling Islam primarily a socio-political system and have come to regard it strictly as an *economic* program. For such elements, Islam is co-extensive with a particular type of "nizām-e rabubbiyat." As for religious doctrines and metaphysical beliefs, these authors take their first step from the point where Sayyid Aḥmad Khān's theological project had culminated; by interpreting Paradise and Hell in terms of this-worldly pleasure and pain, and the Resurrection in terms of nuclear explosions, have sought to eliminate the very subject of metaphysics! This mode of thought is an extreme but perfectly logical consequence of the tendency towards a materialistic understanding of religion. A full criticism of this view is not our objective here; even though it presents itself as "Qur'ānic thought," both its grossly materialistic nature and its antagonism to the spirit of the Qur'ān are self-evident. We have referred to this variety of "thought" merely as an example of how far a materialistic interpretation of religion can reach in only a few steps. The following Persian couplet eloquently depicts this situation: If the very first brick is laid crooked / the entire wall is deformed to the summit!

مسلمان ممالک کی سیاسی آزادی و خود اختیاری بھی یقینا بہت اہم ہے اور اس سے بھی ایک حد تک اسلام کی نشأة ثانیہ کی راہ ہموار ہوئی ہے۔ اسی طرح اسلامی نظام زندگی کا تصوّر اور اس پر ایک بہتر نظام حیات ہونے کے اعتبار سے اعتماد بھی ایک حد تک مفید اور قابلِ قدر ہے اور جن تح یکوں کے ذریعے سے پیدا ہوایا ہو رہا ہے ان کی سعی و جہد بھی احیائے اسلام ہی کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ لیکن اصل اور اہم ترکام ابھی باتی ہے اور ضرورت اس امرکی ہے کہ عالم اسلام کے تمام سوچنے سجھنے والے لوگ اس امر کی جانب متوجہ ہوں اور جنہیں اس کی اہمیت کا احساس ہو جائے وہ اپنی تمام تر سعی و جہد کو اس پر مرکوز کر دیں کہ امت میں تجدید ایمان کی ایک عظیم تحریک بر پا ہو اور ایمان نرے اقرار اور محض " قال "

ایمان لا محالہ کچھ ماوراء الطبیعاتی حقائق پر یقین کا نام ہے اور اس راہ کا پہلا قدم بیہ ہے کہ انسان اُن دیکھی حقیقوں پر دکھائی دینے والی چیز وں سے زیادہ یقین رکھے اور سر کے کانوں سے سی جانے والی باتوں سے کہیں زیادہ اعتماد ان باتوں پر کرے جو صرف دل کے کانوں سے سی جاسکتی ہیں۔ گویا إیسان باللغیب اس راہ کی شرط او لین ہے۔اور اس کے لئے فکر و نظر کا یہ انقلاب اور نظئر نظر اور طرزِ فکر کی یہ تبدیلی لاز می ولاہد ی ہے کہ کا تنات غیر حقیقی اور محض وہمی و خیالی نظر آئے لیکن ذاتِ خداوند ی ایک زندہ جاوید حقیقت معلوم ہو۔ کا تنات کا پور اسلسلہ نہ از خود قائم معلوم ہو نہ کچھ گھ بند ھے قوانین کے تابع چلتا نظر آئے بلکہ ہر آن وہ ہر سمت ارادہ خداوند ی و مشیت ایز دی کی کار فر مائی محسوس و مشہود ہو جائے۔ مادہ حقیر و بے و قعت نظر آئے لیکن روح ایک حقیقت کبر کی معلوم ہو نہ ہو۔ اطلاق اس کے جدید حیوانی پر نہ ہو بلکہ اس روح ر بنانی پر کیا جائے جس کی بدولت وہ " معلوم ہو نہ ان کا اطلاق اس کے جدید حیوانی پر نہ ہو بلکہ اس روح ر بنانی پر کیا جائے جس کی بدولت وہ " معلوم ہو۔ انسان کا و سرمد کی اور حقیقی دواقتی نظر آئے لگے ، اور اللہ تعالی کی رضا دوح وقعت معلوم ہو اور حیاتِ اخر دی کی و مرمد کی اور حقیقی دواقتی نظر آئے لگے ، اور اللہ تعالی کی رضا دوخ شنود ی کے مقابلے میں دنیا و مرمد کی اور حقیقی دواقتی نظر آئے گئے ، اور اللہ تعالی کی رضا دوخ شنود ی کے مقابلے میں دنیا دائہ ہو جائے دینو کی فانی دنا پائیدار ہی نہیں بالکل غیر حقیقی و بے و قعت معلوم ہو اور دیات ہوا

عوام کے کشت قلوب میں ایمان کی تخم ریز کا اور آبیار کا موثر ترین ذریعہ ایسے اصحاب علم و عمل کی صحبت ہے جن کے قلوب واذہان معرفت رتبانی و نور ایمانی سے منوّر ، سینے کبر ، حسد ، بغض ، اور ریا سے پاک ، اور زند گیاں حرص، طع ، لا پلح ، اور حبّ د نیا سے خالی نظر آئیں۔ خلافة علیٰ مِنعاج النّبوة کے نظام کے درہم برہم ہو جانے کے بعد ایسے ہی نفو سِ قد سیہ کی تبلیخ و تعلیم ، تلقین و نصیحت ، اور تربیت و صحبت کے ذریعے ایمان کی روشی تھیلتی رہی ہے۔ اور اگر چہ جب سے مغرب کی الحاد ومادہ پر ستی کے زم سے مسموم ہواؤں کا زور ہوا ایمان و یقین کے یہ باز از بھی بہت حد تک سر د پڑ گئے، تاہم ، اجسی ایک شخصیت تک ذریعے ایمان کی روشی تھیلتی رہی ہے۔ اور اگر چہ جب سے مغرب کی الحاد ومادہ تر ستی کے زم سے مسموم ہواؤں کا زور ہوا ایمان و یقین کے یہ باز از بھی بہت حد تک سر د پڑ گئے، تاہم مرارت ایمانی شخصیت دند یع ایمان کی روشنی تھیلتی رہی ہے دار اگر چہ جب سے مغرب کی الحاد ومادہ تحرارت ایمانی سیخصیت در بیٹی ایکن نا پر نہیں ہو کیں جن کے اول دوشن " نور یقین اور " نفس گرم" مرارت ایمانی سیخصیت میں بلکل نا پید نہیں ہو کیں جن کے اول دوشن " نور یقین اور " فسی گرم" مرارت ایمانی سیخصیت دو میں ^(۲) ، اور اب ضرورت اس کی ہے کہ ایمان و یقین کی ایک عام ار والی میں مرارت ایمانی سیخصیت کی ند گی ہو کہ ہو کہ میں ہو کیں جن کے سو کر اور شی تو کی کی میں کو کا مقصد و حید مرارت ایمانی سے معمود ہیں ^(۲) ، اور اب ضرورت اس کی ہے کہ ایمان و یقین کی ایک عام ار والی می خدا کی رضاجو کی اور اس کی خوشنود کا حصول ہو ، اور جو نی اکر م لین پیڈ پیز کی کی ای فرمانِ مبارک کے خدا کی رضاجو کی اور اس کی خوشنود کا حصول ہو ، اور جو نی اکر م لین پیز پڑ کی کو ای فرمانِ مبارک کے مرابت در ہمائی کو زند گی کا واحد لائچ عمل قرار دے لیں اور اس کے سواان کی زند گی میں کو کی اور ہی کی ہو ہو ہوں جن خوش قشمتی سے برِّ صغیر پاک و ہند میں ایک وسیع پیانے پر ایسی حرکت پیدا بھی ہو چکی ہے جس کے زیر اثر عوام میں ایمان کی روشنی پھیل رہی ہے اور کا سکت سے زیادہ خالق کا سکت ، ماد ی سے زیادہ روح ، اور حیاتِ د نیوی سے زیادہ حیاتِ اخرو می کی ایمیت کا احساس اجا گر ہو رہا ہے۔ ہمار می مراد تلیغی جماعت سے ہے جے بچاطور پر تحریک دیلی رہی ہے کہ آج نصف صدی سے زیادہ عرصہ گرز جانے کے باوجود اصحابِ ایمان و یقین کے ہا تھوں ہوئی ہے کہ آج نصف صدی سے زیادہ عرصہ گرز جانے کے باوجود میں کرتے ، مارا مشاہدہ ہے کہ اس کے زیر اثر لوگوں کے طرزِ قکر اور نظام نظر میں ایک ایس کچھا لیے نہیں کرتے ، مارا مشاہدہ ہے کہ اس کے زیر اثر لوگوں کے طرزِ قکر اور نظم نظر میں ایک ایک عمومی تبدیلی واقعتاً پیدا ہو جاتی ہے جس کے نیتے میں دہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اصل حیث سے سائل کی خکم خداوند کی سے مثمی ہو کی کمی منیں آئی ، اور اس کے باوجود کہ اس کے طریق کار سے ہم کلیتا آلفاق تبدیلی واقعتاً پیدا ہو جاتی ہے جس کے نیتے میں دہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اصل حیث سے ایک ایک کی حکم خداوند کی سے مثمی ہو ای ایمیت اسباب کی نہیں میں ایک ایس کی تعوی سے چھوٹے ایک ایک ہو جاتی ہے جس کے منتی اور کی تعالی ہے بچھتی ہے ایک ایس کی حکور خلی خالو کر کہ تی ہیں ہو کہ کی مندیں اسباب کی نہیں میت الا سباب کی ہے۔ نہوک غذا سے نہیں در ایک کی حیث سے میت ہی ہو کہی منظق استد لال کی بنا پر یک تعالی ہے بچھتی ہے ! دین کے چھوٹی خلی ذرائع کی حیث ہیں بلکہ دی دفسو خیر نظر آنے لگتے ہیں اور نمی اکر مالی کی تا کم کرنے کے چھوٹی سنیس بجائے خود نور انی معلوم ہو نے لگتی ہیں ، اور زند گی کے اواز مات کے باب میں کم از کم پر تابعت کر کے وہ اپن ای معلوم ہو نے لگتی ہیں، اور زند گی کے لواز مات کے باب میں کم از کم پر دیتے ہیں۔

لیکن چونکہ اس تحریف میں اصل تخاطب عقل سے نہیں جذبات سے ہے اور اس کی اصل اساس علم پر نہیں عمل پر ہے للذا اس کے اثرات محد دو ہیں اور معاشر ے کے وہ طبقے جن کے یہاں جذبات پر عقل اور عمل پر علم کو اوّلیت حاصل ہے اس سے اثر پذیر نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ اپنی ذہنی ساخت کی بنا پر مجبور ہوتے ہیں کہ عقل کی جملہ وادیاں طے کر کے عشق کی وادی میں قدم رکھیں اور خرد کی تمام گھتیاں سلجھانے کے بعد "صاحبِ جنوں " ہوں ^{(س}) ۔ پھر یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اس قسم کے لوگ مر دور اور مر معاشر ے کی وہ ذہین اقلیت (intellectual minority) ہوتے ہواز خود کے نقطۂ نظر اور طرزِ فکر کی تبدیلی اور ان کے فکر و نظر کے انقلاب کو اولین اہمیت حاصل ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ایمان ان کے دلوں میں جا گزیں نہ ہو سکا ور انہیں جہالت و جاہلیت کی نظمتوں سے زلا جا سکاتو صرف عوام النّاس کے قلوب واذہان کی تبدیلی سے تحسی مؤثر اور پائیدار تبدیلی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

8. Renewal of Faith: The Precondition of Islamic Renaissance

Since Islam is based on faith—known in Arabic as īmān—the dream of Islamic revival can never become a reality without a general renewal of religious faith.

There is no denying the importance of gaining political freedom and self-determination for various Muslim countries; to some extent, these achievements have contributed towards clearing the path for a renaissance of Islam. Similarly, the spread of the idea that Islam is a comprehensive code of life and that it is superior to other ideological programs has also been a helpful and valuable development. The revivalist movements that have contributed—or are contributing—to the credibility of Islam in this way must be appreciated for their role in the larger process of Islamic revival.

And yet, the most basic and essential requirement in this regard still remains unfulfilled. Since the revitalization of religious faith is the necessary precondition for bringing about an Islamic revival, it is highly imperative that all thoughtful and perceptive Muslims direct their attentions toward this task. Those who come to realizes its significance must concentrate their efforts on generating a powerful movement for the renewal and rejuvenation of religious faith—so as to ensure that $\bar{i}m\bar{a}n$ is not just a verbal affirmation (q $\bar{a}l$) on a person's lips, but that it grows into a genuine conviction that defines the very state of one's being ($h\bar{a}l$).

In its essence, religious faith involves an inner state of confidence in certain metaphysical realities. To develop such faith, one must have the ability to experience a much higher level of certitude in transcendent truths than the certitude one experiences in the facts revealed by ordinary sense perception. One must have the ability to invest a far greater amount of trust in realities that are knowable only through one's heart, as compared to realities knowable through one's physical eyes or ears. This means that a capacity for īmān bil-ghayb or "faith in the unseen" is the foremost condition of this path. The flowering of genuine religious faith in a person's heart is necessarily accompanied by a radical change in thinking and a profound revolution in viewpoint.

As a result of the inner transformation that faith brings, a person comes to see the material universe as entirely insignificant and even unreal; while, in sharp contrast, the presence of God is experienced as a living and eternal reality. For a person of faith, the empirical world is neither a self-governing chain of cause and effect nor is it under the determining control of rigid mechanical laws; instead, faith allows the witnessing of God's will and purpose in each and every moment. The world of matter becomes worthless and inconsequential, but the spirit appears as an almost tangible reality. As faith grows, a person no longer attributes the term insan (human being) primarily to the physical body, but applies it in the first place to the divine spirit that is the real essence of humankind-the same divine spirit whose presence made Adam worthy of the angels' prostration. For a person of faith, the life of this-world appears not only transient and ephemeral, but also utterly unreal and trifling; one comes to realize that in comparison to the fleeting life of this-world, only the life hereafter is ultimately real, worthwhile, and everlasting. The goal of pleasing God becomes infinitely more valuable than the entire world and all of its treasures. In accordance with a saying of Prophet Muhammad (S), a person of faith assigns no more value to the totality of worldly riches than the worth of a gnat's wing.

Let it be clearly understood that unless a significant and influential portion of the Muslim ummah undergoes this kind of profound transformation in its thinking and viewpoint, the hope of an Islamic revival will not be realized.

The most effective means for cultivating faith in the hearts of the Muslim masses involves the fellowship of persons who are significantly advanced in religious knowledge and practice. These are the individuals whose hearts and minds are radiant with the light of gnosis and faith; whose souls are free of conceit, jealousy, rancor, and hypocrisy; whose lives are devoid of greed, covetousness, and the love of this-world. In the aftermath of the collapse of khilafah 'ala minhaj al-nubuwwah, it was mainly through the instruction, exhortation, and fellowship of pious souls who embodied these qualities that the light of īmān continued to spread and illuminate the world. More recently, the poisonous winds of Western disbelief and materialism have had a chilling effect on this dimension of Islamic culture as well; yet, such personalities are not completely extinct in the Muslim ummah whose hearts are luminous with the light of faith and whose passions are ablaze with the warmth of conviction. What is needed in the present moment is a powerful wave that sweeps through every part of the ummah, so that no city or town is left without such resolute and steadfast individuals whose sole aim in life is to please God, and whose hearts are free of all desires and ambitions other than the noblest aim of bringing divine guidance to humanity.

Fortunately, a mass movement has already emerged in the Indian Subcontinent, under the influence of which the radiance of religious faith is disseminating among the multitudes on a large scale. The Jamāʿat-e Tablīgh, which is an off-shoot of the movement associated with the Dār al-ʿUlūm at Deoband, is raising the awareness among the Muslim masses that God, the spirit, and the life hereafter are infinitely more important than the physical universe, the material body, and the life of this-world. The movement of the Jamāʿat-e Tablīgh was initiated by persons of such deep faith and conviction that, despite the passing of more than a third of a century, there has been no diminishment in the movement's fervor and zeal. Though we do not completely agree with its approach and methodology, it remains an observable fact that the influence of the Jamāʿat-e Tablīgh leads to a profound transformation in people's thinking and viewpoint. As a result of this transformation, individuals begin to experience that reality is an attribute of the Creator and not that of the creation, that the One who controls all the causes is incomparably more real than all the finite causes put together. They realize that it is not food that overcomes their hunger, nor is it water that quenches their thirst, but that such finite causes become efficacious only through the will and permission of God. They begin to see even the minor injunctions of Islam as having intrinsic value, without needing to be convinced through logical arguments that such injunctions are parts of a larger code of life or the means for establishing an ideological program. The smallest details of the Prophetic sunnah begin to appear luminous, for no other reason except their association with their beloved Prophet Muhammad (S). Thus transformed in their inner lives, people who come under the influence of the Jamā'at-e Tablīgh frequently limit their material consumption to a bare minimum and spend a significant part of their time in religious propagation and preaching by following a typical method and routine.

Despite its achievements, the actual effectiveness of the Jamā'at-e Tablīgh is destined to remain limited; the main reason being that this movement primarily addresses the sentiments rather than the intellect, and that it is founded upon religious practice and rituals as opposed to knowledge and understanding. Consequently, those sections of society are not likely to come under the influence of the Jamā'at-e Tablīgh in which intellect takes precedence over feelings and knowledge is privileged over practice. Such individuals are compelled, by virtue of their temperament, to first traverse the realm of reason and critical inquiry before they can whole-heartedly step into the domain of love and passion. Their natural constitution is such that they cannot reach the deeper levels of the spirit without having untangled the knots of their analytical and inquisitive minds. It is an established fact that individuals of this temperament, taken as a whole, constitute the intellectual minority of a society. All over the world, and in every historical period, it is this minority that quite naturally comes to play a leadership role in setting the direction and priorities of society. As a result, paramount importance must be given to bringing about a revolutionary transformation in the thinking and viewpoint of those

who belong to this intellectual minority. If īmān could not be kindled in the hearts of such individuals, and if *they* could not be rescued from the darkness of spiritual ignorance, then changing the hearts and minds of the masses alone will not bring about any substantial and lasting transformation.

۹۔ کرنے کااصل کام

بنابریں وقت کی اہم ترین ضرورت میہ ہے کہ ایک زبر دست علمی تحریک ایسی الٹھے جو سوسا کٹی کے اعلیٰ ترین طبقات لیعنی معاشر ے کے ذہین ترین عناصر کے فکر و نظر میں انقلاب بر پا کر دے ، اور انہیں مادّیت والحاد کے اند ھیروں سے نکال کر ایمان ویقین کی روشنی میں لے آئے اور خدایر ستی و خود شناسی کی دولت سے مالامال کر دے۔ خالص علمی سطح پر اسلامی اعتقادات کے مدلّل اثبات اور الحاد و مادّہ پر ستی کے پُر زور ابطال کے بغیر اس مہم کا سر ہو نا محال ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ چو نکہ موجودہ دور میں فاصلے بے معنی ہو کررہ گئے ہیں اور پوری نوعِ انسانی ایک کننے کی حیثیت اختیار کر چکی ہے لندا علمی سطح کا تعین کسی ایک ملک کے اعتبار سے نہیں بلکہ پوری دنیا کے اعلیٰ ترین معیار کے مطابق کر ناہو گا۔ اور اگر چہ سیہ بالکل صحیح ہے کہ سی کام انتہائی کٹھن اور سخت حیث طلب ہے کی یہ مطابق کر ناہو گا۔ اور اگر چہ سیہ بالکل صحیح ہے کہ یہ کام انتہائی کٹھن اور سخت حیث طلب ہے لیکن ہیں

پیش نظر علمی تحریک کے لئے سب سے پہلے ایسے ذہین اور باصلاحیت نوجوانوں کو تلاش کر ناہو گا جن میں علم کی ایک شدید پیاس فطری طور پر موجود ہو، جن کے قلوب مضطرب اور روحیں بے چین ہوں، جن کو خود اینے اندریہ احساس موجود نظر آئے کہ اصل حقیقت حواس کی سر حدوں سے بہت پرے واقع ہے، اور جن میں حقیقت کی تلاش و دریافت کا داعیہ اتنا شدید ہو جائے کہ وہ اس کے لئے زند گیاں وقف کرنے کو تیار ہوں اور آ رام و آ سائش کے حصول اور خوشما مستقبل (career) کی تغییر سے بیکر بے نیاز ہو جائیں۔ ایسے نوجوانوں کو اوّلا اًنسان کی آج تک کی سوچ و بچار کا ممکل جائزہ لینا ہو گااور اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ انسانی فکر کی پوری تاریخ کا گہر ا مطالعہ کریں۔ اس اعتبار سے منطق، ماورا ہ الطبیعات، نفسیات، اخلا قیات، اور روحانیات ان کے مطالعہ اور غور و فکر کا اصل میدان ہوں گے (اگرچہ ضمنی طور پر عمرانیات اور طبیعیات کی ضروری معلومات کی تحصیل بھی نا گزیر ہو گی) ۔ فکر انسانی کے اس گہر ے اور تحقیقی مطالعے کے ساتھ ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ و حی آ سانی اور اس کے آخری جامع اور مکل ایڈیشن یعنی قرآنِ حکیم کا گہر ا مطالعہ حقیقت کی تلاش اور حقیقت نفس الا مرکی کی دریا فت کے نقطۂ نگاہ سے کریں۔

> پھر اگر ایسا ہو کہ قرآن کی روشنی ان پر واضح ہو جائے ،اس کا پیغام انہیں اپنی فطرت کی آواز معلوم ہو ، اِس کے نور سے ان کے قلوب و اذہان منور ہو جائیں، آفاق وانفس کی حقیقت و ماہیت کے بارے میں تمام بنیادی سوالوں کا تشفی بخش جواب انہیں مل جائے، اور انہ ساطِ معرفت سے ان کے نفوس میں امن اور سکون واطمینان کی کیفیت پیدا ہو جائے ، نواسی کا نام ایمان ہے !

پھر یہی ہوں گے جنہیں " رسوخ فی المعلم " حاصل ہوگا، جن کاعلم ذہنی واخلاقی آوار گی کے بجائے تقویٰ وخشت اللی پر منتج ہوگا، جن کی شخصیتنیں إِنَّمَا يَخْشَی الله مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ^(۱) کی مجسم تفسیر اور ط " قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن " کی عملی تصویر ہوں گی ^(۲) ۔ اس لئے کہ قرآن کا " مغز " دراصل یہی "علم حقیقت " ہے جس کا دوسرا نام ایمان ہے۔ قانون و شریعت کی اہمیت بجائے خود اگرچہ نہایت عظیم ہے لیکن اس کے مقابلے میں ان کی حیثیت واقعة "استحوان " کی ہے ^(۳) ۔ اور حقیقت ہی ہے کہ اس کیفیت ایمانی کی تحصیل کے بغیر قرآن کے بیان کردہ قانون و شریعت پر غور و فکر بالکل بے کار ہے۔ یہی رمز ہے جو حضرت ابن عباس کے اس قول مغرب کے فلسفہ و فکر کے مؤثر ابطال اور اس کی تہذیب و تدّن کے واقعی استیصال کا تحظن کام صرف ان لو گوں کے بس کا ہے جو "علم حقیقت "کے ان چشموں سے اچھی طرح سیر اب ہوں جو قرآن حکیم کی آیاتِ بینات کی صورت میں رواں ہیں۔ ان ہی کے لئے ممکن ہوگا کہ وہ آج کے فلاسفہ کے لئے ایک نئی "نہافت" ⁽⁴⁾ تصنیف کر سکیں اور آج کے منطقیمین پر از سر نو "رد" ⁽¹⁾ کر سکیں اور فی الجملہ الحاد ومادہ پر ستی کے اس سیلاب کارُخ پھیر دیں جو تقریباً دو صدیوں سے ذہن انسانی کو بہائے لئے چل

اس تخریب کے ساتھ انہیں جدید علم الکلام کی تاسیس کا "مثبت "کام بھی کرنا ہوگا تا کہ ریاضی، طبیعات، فلکیات، حیاتیات، اور نفسیات کے میدان میں جن حقائق کی دریافت آج تک ہو کی ہے²⁴ اور جواس حقیقت کلی کی ادنیٰ جزئیات ہیں جن کا مظہر اتم ایمان ہے، انہیں اسلامی عقائد کے نظام میں اپنے اپنے مقام پر فٹ کیا جا سے آج سے پنیتیں چالیس سال قبل علامہ اقبال مرحوم نے "النہیاتِ و قانون اور اجماع واجتہاد سے جن کرتا ہے (اور جو فی الواقع "النہیات " ہے، ماہیں مرحوم نے "النہیاتِ و قانون اور اجماع واجتہاد سے بحث کرتا ہے (اور جو فی الواقع "النہیات " سے براہ راست متعلق بھی مہیں ہے) تاہم اپنے اصل موضوع کے اعتبار سے علامہ مرحوم کی یہ کو شش بڑی فکر انگیز تھی اور جیسا کہ خود علامہ نے کہ تاب کے دیباج میں فرمایا تھا کہ " ہو سکتا ہے کہ جیسے علم آگر ہے ہو شریعت جیسا کہ خود علامہ نے کہ اور اخراض میں جہ کہ ہم انسانی فکر کے ارتقا ہے کہ ہو سے کان کر انگیز تھی اور جیسا کہ خود علامہ نے کہ اور اخراض میں جو دیالات بیان ہو کہ ہی ان کے علاوہ بلکہ ان سے مرافران سے صحیح جیسا کہ خود علامہ نے کہ اور خطر میں فرمایا تھا کہ " ہو سکتا ہے کہ جیسے جیسے علم آگے بل کے طاور و قانون اور اجماع داخر میں ہو کہ ہم انسانی فکر کے ارتقا ہوا کہ ہم تی کے اور کہ انگیز تھی اور میں این کہ خود علامہ نے کہ ہم انسانی فکر کے ارتقا ہوا کہ " ہو سکتا ہے کہ جیسے جیسے علم آگے بڑ سے اور میں میں ہیں کہ مار خطرہ می ہو جنا ہی میں خروا ہو کام جا کہ ایا ہو کہ ہم انسانی خال کے اور ہو ہو ہم ہم تکے ہو ہو کہ ہو اور میں سے بھی کسی نے اس میدان کو اپنی جو لانی طبع کے لئے منتی افسوس کہ خود علامہ مرحوم کے حلقہ از میں سے بھی کسی نے اس میدان کو اپنی جو لانی طبع کے لئے منتی نہیں کیا۔

> ہر حال جب تک اس میدان میں واقعی قدرو قیت رکھنے والاکام ایک قابل ذکر حد تک نہیں ہو جاتا یہ امید کہ معاشر ے کے ذہین طبقات کومذہب کی طرف راغب کیا جاسلے گا محض سراب کا درجہ رکھتی ہے۔

اس کام کے لئے بھی ظاہر ہے کہ ایک طرف موجودہ دنیائے مسائل و معاملات کا صحیح فنہم اور عمرانیات کے مختلف میدانوں میں جدید رجحانات کا براہ راست علم ضروری ہے اور دوسری طرف قرآن وسنّت میں گہری ممارست لازمی ہے، اور جب تک بیہ صورت نہ ہو کہ ان دونوں اطراف کا مطالعہ یکساں دقّت نظر کے ساتھ کیا جائے معیاری نتائج کی توقع عبث ہے۔

{۵} تعافة الفلاسفه، تاليف امام الغرالیؓ ۲۶ الارّد علیٰ المنطقدین، تالیف امام ابن تیمیَّهؓ {۲} واضح رہے کہ اس ضمن میں "حکائق"اور " نظریات "کے مامین فرق وامتیاز کو بنیاد کی اہمیت حاصل ہے۔

9. The Real Task Ahead

In view of the analysis presented above, the most critical need at the present moment is as follows: powerful intellectual movement must arise that would revolutionize the thinking and viewpoint of the most intelligent classes and the best educated elite of the society. A movement is needed, in other words, that would liberate the members of the intellectual minority from the cold night of disbelief and materialism, bringing them into the warm daylight of faith and enriching them with the treasures of God-consciousness and selfawareness. Obviously, this goal is impossible to realize except through a cogently reasoned affirmation of religious beliefs as well as a coherently argued refutation of all forms of disbelief and materialism.

In this regard, a crucial point must be borne in mind. Since in our age physical distance has become inconsequential and the entire world has become a virtual family, the intellectual level of discourse in the requisite movement cannot be set according to the academic standards of any particular society. Rather, the proposed movement must function in accordance with the *highest* standard of intellectual and academic sophistication that is found anywhere in the world.

There can be no doubt that what is being proposed here is an extremely arduous and challenging task, but it should be equally obvious that dreaming of a renaissance of Islam without undertaking its essential prerequisite is tantamount to living in a fool's paradise.

The first step for launching this intellectual movement is to identify bright and talented young individuals who are naturally endowed with an intense thirst for knowledge. They must feel an inner restlessness a dissatisfaction with conventional wisdom and an irrepressible yearning for finding the truth. Such individuals must have reached the realization that ultimate reality is far beyond what can be known through ordinary sense perception. Their motivation to uncover the veiled reality should be so intense as to create a burning desire for dedicating their lives to this end—disregarding in the process all the worldly ambitions of status, comfort, and attractive careers.

These young inquirers will have to review the entire range of human thought, which will involve a thorough and penetrating study of intellectual history from its earliest stages to the present day. In this regard, the main arenas for their research and reflection will include the disciplines of logic, metaphysics, psychology, ethics, and theology. In addition, they will complement their main inquiry by giving due attention to what is indispensable in the social and physical sciences. Along with this deep and critical examination of human thought, they will undertake a focused and thoughtful study of the Holy Qur'ān the last and most comprehensive of divine revelations—with the aim of discovering for themselves the true nature of reality.

And if, after a laborious study of human thought and revealed guidance, the radiance of the Qur'ān comes to illuminate their hearts, if its message sounds like the voice of their own souls, if their innermost beings resonate with its teachings, if they find compelling answers to all of their fundamental questions about the nature of reality, and if, in the ecstasy of this enlightenment, they experience a profound inner satisfaction and fulfillment—then they will know that they are tasting the sweetness of īmān.

Only such individuals will be capable of acquiring rusūkh fīl 'ilm, i.e., a firm and authentic grounding in the knowledge of reality (cf., Āl-'Imrān 3:7). Instead of moral waywardness and intellectual caprice, their knowledge will lead them to ever greater piety and fear of divine judgment. Their personalities will bear witness to the Qur'ānic āyah: "... verily, those who fear God from among His servants are the ones who possess abundant knowledge ..." (Al-Fāțir 35:28). Their characters will be such that instead of being mere readers of the Qur'ān, they will become the living embodiments of divine revelation. This is so because the essence and core of the Qur'ān is precisely this "knowing" of reality which is otherwise called īmān. While the laws and practical injunctions of the Qur'ān—collectively known as the Sharī'ah—are definitely of great importance when considered in their own right, they are of much *less* significance when judged against the immense value of īmān. The Ṣūfī poet Rūmī has even used the metaphor of "marrow" to emphasize the primacy of faith, while referring to the debates and controversies surrounding the law as mere "bones." The truth of the matter is that any intellectual inquiry into the laws and practical injunctions of the Qur'ān is completely futile so long as such activity is not preceded and accompanied by the cultivation of a deep and authentic religious faith. It is this subtle point that has been very aptly conveyed in the following statement by 'Abd-Allāh bin 'Abbās (R): "We acquired īmān first, and learned the Qur'ān later."

A convincing refutation of Western thought and a demolishing critique of Western culture can only be produced by individuals who have thoroughly imbued the refreshing knowledge of reality that flows from the Holy Qur'ān. Only such individuals will find it possible to write a new "incoherence" in response to today's philosophers and mount a crushing "refutation" upon the claims of today's logicians.¹ It will be the efforts of these individuals alone that will finally check the flood of disbelief and materialism—the same flood whose momentum has been carrying the human mind for the last two hundred years.

Besides this negative work of demolition, they will have to undertake the positive task of laying down the foundations for a new philosophical theology of Islam, otherwise known as kalām. The aim of the latter enterprise is to allow the facts that have been discovered so far in the domains of mathematics, physics, cosmology, biology, and psychology to occupy their proper places within the framework of Islāmic beliefs.² After all, these facts are nothing other than partial details of the same Reality whose fullest manifestation is found in the "knowing" that we call īmān.

About thirty-five or forty years ago, Muḥammad Iqbāl initiated this task through his work *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. A portion of this work dealing with religious law and the issues of ijmā' and ijtihād is rather controversial; but that discussion is not directly related to the main topic of the book. Concerning the reconstruction of the philosophical theology of Islam, Iqbāl's work is very important and thought-provoking. He himself observed in the preface: "As knowledge advances and fresh avenues of thought are opened, other views and probably sounder views than those set forth in these lectures, are possible. Our duty is to watch carefully the progress of human thought and to maintain an independent critical attitude towards it." Had other scholars pursued this task by continuing to reflect along the lines suggested by Iqbāl, and had only a few steadfast individuals devoted their lives for this purpose, a great deal of valuable and substantial work would have been produced. It is regretful that not even a single individual from Iqbāl's own circle of influence chose to enter this arena. In any case, unless a considerable amount of truly high quality work is accomplished in the field of philosophical theology, the hope of attracting the intelligentsia towards religion will be nothing more than a mirage.

After the "reconstruction of religious thought in Islam," the second most important task is to elaborate in a cogent and coherent manner the practical guidance of Islam concerning the various spheres of human life, such as politics, jurisprudence, culture, and economics. As mentioned earlier, a substantial amount of work has been accomplished in this field during the last fifty or sixty years, particularly in Egypt and the Indian Subcontinent. The Jamā'at-e Islāmī and al-Ikhwān al-Muslimūn have given particular attention to themes like the "Islamic way of life" and "social justice in Islam." However, all of this work can be described only as a useful beginning or merely as an initial step in the right direction. More recently, the tendency of mindlessly repeating the same ideas—and publishing them under different titles-has diluted the significance of even that earlier effort, which was quite valuable in itself. The enterprise of publishing unoriginal works by amateur authors and self-proclaimed scholars, and selling them within a niche market, may bring economic benefit to a few but does not accomplish any positive and lasting service to Islam. In today's world, persons of high intellectual caliber do not have the leisure to study the writings of unqualified authors, i.e., those who lack the appropriate academic training and the relevant credentials. It is imperative, therefore, that a high academic standard is maintained in whatever intellectual work is brought out, and that quality-as opposed to quantity-is given maximum attention.

To engage in this kind of work, it is obviously essential to have an accurate understanding of the affairs and problems of the contemporary world, as well as first-hand knowledge of the latest trends and developments in the various fields of social sciences. Side by side with this modern knowledge, one must have deep familiarity with the primary sources of Islam, i.e., the Qur'ān and the Sunnah. It is futile to expect high quality results without the application of the same degree of meticulous attention and analytical rigor to both sides of the equation.

1. The word "incoherence" refers to Imām al-Ghazālī's famous work *Tahāfat* al-Falāsifah, or "The Incoherence of the Philosophers." The word "refutation" refers to Imām Ibn Taymiyyah's important work *Al-Radd 'alā 'l-Manțiqīyīn*, or "The Refutation of the Logicians."

2. It should be kept in mind that the distinction between "fact" and "theory" is of fundamental importance in this regard.

کے ساتھ اس کام کا بیڑا اٹھا لیں تو اِنشاء اللہ اسی معاشرے میں بہت سے ذین اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک نوجوان ایسے مل جا نمیں گے جو نبی اکرم لیٹی لیتی کم کے اس قولِ مبارک کو کہ خَیرُ کُم مَن تَعلَّمَ الفُّر آنَ و علَّمَهُ ^{۲۱} اپنالا تحہ عمل بنا کر علم قرآن کی مختصیل واشاعت کے لئے زندگی وقف کر دیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ اصل ضرورت صرف اس کی ہوتی ہے کہ کسی جذبہ و خیال کے تحت انسان میں داخلی طور پر ایک داعیہ بیدار ہو جائے، پھر یہ داعیہ کام کی راہیں خود پیدا کر لیتا ہے اور تمام مواقع و مشکلات سے خود نبٹ لیتا ہے۔ للذا ضرورت اس کی ہوتی ہے کہ کسی جذبہ و خیال کے تحت انسان میں احساس کو اُجا گر کیا جائے پھر کو کی وجہ نہیں کہ اس اعلیٰ وار فع نصب العین کے لئے کام کرنے والے دستیاب نہ ہو سکیں۔

دوسرے بیہ کہ ایک قرآن اکیڈی کا قیام عمل میں لایا جائے - جو ایک طرف علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کا بند وبست کرے تاکہ قرآن کا نور عام ہو اور اس کی عظمت لو گوں پر آشکار اہو اور دوسری طرف ایسے نوجو انوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے جو بیک وقت علوم جدیدہ سے بھی بہرہ ور ہوں اور قرآن کے علم و حکمت سے بھی بر اور است آگاہ ہوں تاکہ متذکرہ بالا علمی کا موں کے لئے راہ ہموار ہو سکے ۔

علوم قرآنی کی عمومی نشر واشاعت کا اہم ترین بنیچہ یہ نطلے گا کہ عام لو گوں کی تو جہات قرآنِ حکیم کی طرف مر کوز ہوں گی، ذہنوں پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہوگا، دلوں میں اس کی حبت جا گزیں ہو گی، اور اس کی جانب ایک عام النقات پیدا ہوگا۔ نیچناً بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں گے اور کوئی وجہ نہیں کہ ان میں سے ایک اچھی بھلی تعداد ایسے نوجوانوں کی نہ نکل آئے جو اس کی قدر و قیت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی کو اس کے علم و حکمت کام ہوگا اور نشر واشاعت کے لئے وقف کر دیں۔ ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اس اکی ٹری کا اصل کی خصیل اور نشر واشاعت کے لئے وقف کر دیں۔ ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اس اکیڈ می کا اصل کام ہوگا اور اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ان کو پختہ بنیادوں پر عربی کی تعلیم و تربیت اس اکیڈ می کا اصل میں زبان کا گہر افہم اور اس کے اوب کا ستھرا ذوق پیدا ہو جائیں کہ پوری زندگی کو اس کے علم و حکمت پڑھایا جائے اور ساتھ ہی حدیث نبوگ، فقہ ، اور اصولِ فقہ کی تعلیم دی جائے پھر ان میں سے جو لوگ فلسفہ واللہیات کا ذوق رکھنے والے ہوں گے ان کے لئے مکن ہوگا کہ ان میں سے جو جہ یہ فلسفہ والہیات کا ذوق رکھنے والے ہوں گے ان کے لئے مکن ہوگا کہ وہ تر ہیں پور اعراز میں سے جو ہو میں زبان کا گہر افہم اور اس کے اور کا ستھرا ذوق پید اہو جائے پھر انہیں پور اقرآن خیکے مسبقاً سبقاً

10. A Blueprint for Action

In order to launch the above-mentioned intellectual movement, the following two steps must be taken immediately.

First, an institution of mass propagation should be established that not only invites people to renew their faith and reform their lives, but also provides training and mentoring for the intellectual and moral development of those who respond to its call.¹ In addition, it should elucidate the significance of the requisite scholarly work to those who are sincerely aspiring for the renaissance of Islam, as well as identify such bright and talented individuals who may be willing to dedicate their lives for this purpose.

Finding such individuals, however, seems like a virtual impossibility at first glance. This age of ours is characterized by a pervasive domination of materialism and the love of this-world; in addition, the challenge of earning a livelihood has become so acute that most people are forced to invest all of their abilities and energies in order to afford the basic necessities of life. The general trend of society is such that those who rise above this level immediately become obsessed with continuously raising their standards of living. Despite these impediments, the fact remains that the world is never bereft of wholesome and pure souls that are untainted by worldly ambitions. Consequently, if only a few sincere and resolute individuals were to embark on this mission with a single-minded devotion, they are-God willing—sure to find in the same materialistic society many young individuals with brilliant minds and exceptional talents, individuals who would devote their lives to the learning and teaching of Qur'anic knowledge. Their lives would thus embody the Prophetic saying "the best among you are those who learn and teach the Qur'an."

The only essential prerequisite for undertaking any momentous task is a strong inner motivation that develops under the influence of a particular thought or feeling. Once such an urge or desire is awakened in a person's heart, it becomes a force in its own right that is able to create the appropriate ways and means for its own realization. A motivation that emerges from within is also able to meet and overcome any number of impediments and challenges that might arise in its path.

All that is really needed, therefore, is to propagate the idea that a powerful intellectual movement is essential for bringing about the renaissance of Islam. Once a strong sense of its necessity has taken root, there is no reason why such a noble and exalted aspiration would fail to attract the requisite human resources.

Second, a Qur'ānic academy should be established that undertakes the teaching and dissemination of Qur'ānic knowledge on a mass scale, so that the light of divine revelation illuminates the society at large and that people come to appreciate the majesty and glory of the revealed Word. At the same time, the academy should arrange for the education, training, and mentoring of young individuals so as to equip them with the necessary expertise in modern disciplines as well as direct acquaintance with the Holy Qur'ān. This, in turn, will pave the way for undertaking the academic tasks mentioned above.

The most important outcome of the teaching and dissemination of Qur'ānic knowledge on a mass scale will be as follows: people's attentions will come to focus upon the Holy Qur'ān; their intellects will be impressed by its unmatched power; and their hearts will once again fall in love with its āyāt. In short, there will be a general attitude of respect and reverence, as well as devotion and dedication, towards the revealed Scripture. Inevitably, a large number of young individuals with brilliant minds and exceptional talents will also become "introduced" to the Holy Qur'ān, in the real sense of the word. There is every reason to hope that a substantial number of such individuals will come to recognize the true worth and value of the Holy Qur'ān, and that this recognition will motivate them to spend their lives acquiring and propagating its knowledge and wisdom.

The primary function of the proposed academy would be the education and guidance of such individuals. To execute this function, Arabic language will be taught on sound foundations, with the aim of developing in the students a deep appreciation for the language as well as a refined taste in classical literature. They will then go over the entire text of the Qur'ān in a formal academic setting, while also undertaking the study of Ḥadīth, Fiqh, and Uṣūl al-Fiqh.

Subsequently, those with an aptitude for philosophy and theology will be able to offer a cogent critique of modern philosophical trends in the light of the Holy Qur'ān, as well as to lay down the foundations for a modern philosophical theology or kalām. Those inclined towards the various fields of social sciences will be able to present the guidance of Islam concerning the different spheres of human life at the highest intellectual level.

1. With the grace of Allāh, Tanẓīm-e Islāmī came into being in 1975 to achieve these aims.

About the Author

Dr. Israr Ahmad was born on April 26, 1932 in Hisar (a district of East Punjab, now a part of Harvana State) in British India. He graduated from King Edward Medical College (Lahore) in 1954 and received his masters in Islamic Studies from the University of Karachi in 1965. As a high school student, he briefly worked for the Muslim Students Federation; and, following the creation of Pakistan in 1947, he became actively involved with the Islami Jam'iat-eTalaba and subsequently became a member of the Jam'at-e-Islami Pakistan. After resigning from the Jama'at in 1957 due to irreconcilable differences, Dr. Israr Ahmad continued to serve the Holy Qur'an in his personal capacity. He gave up his thriving medical practice in 1971 in order to launch a movement for the revival and renaissance of Islam. As a result of his efforts, the Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore was established in 1972 while Tanzeem-e-Islami Pakistan was founded in 1975. After a long and active career of public speaking, writing, and organizing, Dr. Israr Ahmad passed away on April 14, 2010.

IONA is a non-violent movement whose aim is to promote and struggle for Justice.